Linguistic Reforms & Dispositions of Nashik: A Review

ناسخ کی لسانی اصلاحات اور تصرفات: ایک جائزہ

Muhammad Mohsin Khalid

Govt.Shah Hussain Associate College, Lahore Northern University Nowshahra, K.P.K, Pakistan

Abstract

Nashik was a unique poet by nature, he had the ability of innovation the highest level. Nashik declared many techniques obsolete and brought the language to a new light. From a personal standpoint, Nashik's movement presented the Lucknow style of Urdu language, he corrected the principles of used words and remembrance of the words have been formulated. The result of all these efforts is that the Nashik language is became the test in Lucknow. Rekhta was given the name of Urdu language by him. Nasikh gave up the simple poetry and adopted the new color of poetry by naming it as "Taza Goi."Undoubtedly, the product of the Nashik movement is Kant's sorting and trimming.We can say that the nature of Nashik movement is cultural and decorative. In the poet's heart, the conscious unit of the society shines. It is a mirror of the unity in which the realities of multiplicity are moderated and give the art an effective tone. Mansabi is to be a thought-provoking symbol of the past; an interpreter of the present and a language lover of the future so that essay writing and linguistic virtues remain in front of him, which can give the credibility of society and literature wide and inclusive.

Key word: Unique, Innovation, Movement,urdu language,taza goi.Rekhta

شاعر کے قلب میں معاشرے کی شعوری اکائی جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہ اس وحدت کا آئینہ دار ہوتی ہے جس میں کثرت آرائی کی حقیقتیں اعتدال سے سمٹ کر فن کو ایک پُر اثر لب ولہجہ عطا کرتی ہیں۔ فنکار کا یہ استحکام فکر کے اوج اور حقیقت سے شناسائی کا مظہر ہوتا ہے۔ ایک شاعر کا فرضِ منصبی ہے کہ وہ ماضی کا افکر انگیز نشان ہو؛ حال کا ترجمان اور مستقبل کی زبان پر سند ہو تاکہ مضمون آفرینی اور لسانی محاسن اس کے پیشِ نظر رہیں جن سے معاشرت اور ادب کے اعتبار کو وسعت اور جامعیت مل سکے۔

کلاسیکی اُردو غزل میں میرؔ و سوداؔ اور مصحفیؔ و جرأتؔ و انشاؔ کے بعد دبستان لکھنو میں جس شاعر کو اولیت حاصل ہے۔ اسے دبستانِ شیخ امام بخش ناسخؔ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ واحد شاعر ہیں جنھوں نے "دبستان دہلی" کی جملہ روایت سے انحراف کیا اور اپنے لیے ایک الگ راستے کا انتخاب کیا جو یقیناً ایک مشکل کام تھا۔ دبستانِ دہلی کی روایت اور فنی لوازامات کے تتبع سے جزوی انکار نے انھیں سخت مشکل میں ڈال رکھا تاہم انھوں نے زبان کے مروجہ اُصول و قواعد کو نئے سرے سے دیکھا، جانچا پرکھا اور اس میں تصرفات اور اصلاحات سے کام لے کر دہلوی روایت کے تقابل میں لکھنوی دبستان کا ایک طرح سے از سرِ نو احیا کیا؛ جس نے بعد میں ایک دبستان کی شکل اختیار کی۔ یوں اُردو شاعری کو ایک نیا جہان میسر آیا جس کے آنگن میں سیکڑوں شعرا نے پرورش پائی اور فکر و سخن میں خوب گلکاریاں تراشیں۔ ناسخ کو بجا طور پر فکر و فن کے اعتبار سے لکھنوی روایت کا امین قرار دیا جاتا ہے اور ان کے کام کو سراہا جاتا ہے۔

ناسخ کا سب سے بڑا کارنامہ اصلاحِ زبان ہے۔ انھوں نے زبان میں استعمال ہونے والے بھدے، ثقیل، سبک اور ناگوار الفاظ اور محاورات کو ترک کر کے ان کی جگہ فصیح اور شیریں الفاظ کو رواج دیا۔ الفاظ کی تذکیر و تانیث مقرر کی، ریختہ کی بجائے لفظ اُردو استعمال کیا۔ عربی اور فارسی کے الفاظ پر زور دیا اور بعض الفاظ کی جہاں ضرورت پڑی؛ اصلاح بھی کی۔ ناسخ کو اصلاحِ زبان کے حوالے سے مسلم الثبوت اُستاد تسلیم کیا گیا ہے۔ ناسخ نے زبان و بیان کے متعلق جو اُصول و ضوابط و قواعد نہ صرف مقرر کئے بلکہ ان پر خود بھی سختی سے عمل کیا اور اپنے شاگردوں کو بھی ان پر عمل کروایا۔

ناسخ نے غزل کے مروجہ اور رسمی مضامین کی بندشوں سے نکل کر نئے خیالات اور نئے اسالیب پیدا کرنے کی کوشش کی۔ غزل کے جہانِ نو کی تشکیل ان کی ذات سے وابستہ ایک مستقل تحریک تھی۔ لفظ ناسخ کا تخلص ان کا رسمی تخلص نہیں تھا۔ ان کی شعوری تنسیخات نے اُردو غزل میں بطورِ خاص "مہرِ ناسخیت" کو رواج دیا۔

ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

زبان و بیان کے معاملے میں ناسخ کا شاعرانہ کردار اور ان کا اجتہاد اس وقت کی بیدار کن آواز اور خوش آئند مستقبل کا ضامن تھا۔ ناسخ کی شخصیت اپنے عہد کی نمائندگی کرنے میں" سب سے زیادہ ممتاز نظر آتی ہے۔ لسانی اعتبار سے گو آتش کو ان کا ہم پلہ قرار دیا جاتا ہے مگر بہ حیثیت شاعر؛ ان کی عظمت اس سے ماسوا اور برتر و مسلم ہے" [1]۔

تحریکِ اصلاحِ زباں میں اساتذہ کی تقلید کو سامنے لاتا ہے۔ اس تحریک کے زیرِ اثر فنِ شاعری اور عروض پر غیر معمولی توجہ صرف کی گئی ہے۔ سوداؔ اور میرؔ کو دکن کی زبان خوب صاف کرنے کا دعویٰ تھا۔ چناں چہ سوداؔ نے فارسی کا اثر قبول کیا اور ریختہ کو عجمی زبان کے سانچے میں ڈھال دیا۔ یوں اُردو کے مادری مزاج سے اس کا رشتہ برائے نام رہ گیا۔ میرؔ نے دلی کی سیڑھیوں پر بولی جانے والی زبان کو اہمیت دی اور زمین کے ساتھ رشتہ برقرار رکھتے ہوئے زبان کو داخلی تنوع آمیز ارتفاع بخشا۔ سوداؔ کی صنعت کاری اچھا تاثر پیدا نہیں کرتی لیکن میرؔ کو اپنی زبان سے کشمش کرنا پڑی ہے۔ وہ لفظ کو یوں منقلب کرتا ہے کہ اس کے مزاج اور شخصیت کا جزو بن جاتا ہے

مصحفیؔ اور جرأتؔ کے عہد میں ان متروکات کو جنھیں سوداؔ اور میرؔ نے استعمال کیا تھا۔ من جملہ انھیں قبول کر لیا جس سے زبان میں وسعت پیدا ہوئی اور تہذیبی معنویت کی راہ ہموار ہو گئی۔ اس کا تاثر مجموعی طور پر زبان پر یہ پڑا کہ زبان یکسانیت کا شکار ہو کر جمود کی نذر ہو گئی۔ اس جمود کو ناسخ کی اصلاحی تحریک نے قواعد و ضوابط کے حصار میں لینے کی سعی کی اور اُردو زبان کو سنگلاخ زمینوں اور اَدق لفظوں کا اسیر بنا دیا۔ ناسخ فارسی الفاظ کی قبولیت، پراکت لفظوں کے اخراج اور ضابطہ پسندی کی تحریک کا سرخیل ہے۔ اس نے اصلاحِ زبان کے لیے متشدد رویہ اختیار کیا اور قدیم پیغمبرانِ سخن کی تمام شریعتوں کا نسخ کر دیا۔

ناسخ جبلّی طور پر ایک منفرد شاعر تھے۔ ان میں اختراعات اور ایجادات کی صلاحیت بدرجہ اَتم موجود تھی۔ یہ کہہ لیں کہ لکیر کے فقیر ہونا ان کی طبیعت میں مطلق نہ تھا۔ انھوں نے متقدمین کی نفی نہیں کی بلکہ ان کا تتبع کیا مگر اپنی لسانی اُپج کے تصرف کو ہر جگہ پیشِ نظر رکھا اور مقدم جانا ہے۔ میرؔ، سوداؔ، مصحفیؔ کے طرزِ فکر اور اظہار کے جملہ اُسلوب کو روایتاً نبھایا ہے اور اس میں تبدیلی کی گنجایش بھی نکالی ہے۔ ناسخ نے بہت سی تراکیب کو منسوخ اور متروک قرار دے کر زبان کو ایک نئے اُسلوب سے ہمکنار کیا۔

امداد امام اثر ناسخ کی لسانی اصلاحات پر بڑی صحت مند رائے دی ہے:

شیخ امام بخش ناسخ زبان اُردو کے مصلح گزرے ہیں۔ اسی اعتبار سے ان کا تخلص نہایت حسبِ حال ہے۔ شیخ نے اُردو کی تراش خراش کو ایسا درست کیا کہ اب اس کی لطافت اور صفائی" فارسی سے کچھ کم معلوم نہیں ہوتی ہے۔ لاریب زبانِ اُردو شیخ کی کوششوں کی تمام تر ممنون ہے۔ اگر جناب شیخ کو اصلاح زبان کی طرف توجہ نہ ہوتی تو زبانِ حال کی یہ صورت پیدا نہ ہوتی" [2]۔

لسانی اصلاحات و تصرفات سے ناسخ نے اپنے کلام کو شعوری طور پر مزین کیا اور ان کی ترویج و اشاعت میں گہری دلچسپی لی۔ ناسخ کی اس لسانی بغاوت کو دیگر شعرا نے بھی سنجیدگی سے لیا؛ جس سے اس دور کے شعرا کا کلام ایک طرح کی از خود شعوری بدلاؤ سے گزرا۔ ناسخ کی کلیات میں لسانی اعتبار سے میرؔ و سوداؔ اور انشاؔ و مصحفیؔ کے مقابلہ میں واضح ترین فرق دکھائی دیتا ہے۔

ناسخ سے پہلے فارسی اور ہندی الفاظ سے "معطوف" اور "مرکب اضافی" کا استعمال عام کیا۔ اس کے علاوہ فارسی الفاظ بطور جمع مفرد استعمال نہ کیے یعنی "مثالاں، غزالاں، دلبراں" میں قواعد کی تحریف کی۔

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"ناسخ کے مذاقِ صحیح نے برسوں کے بعد آنے والی حالت کو پہلے سے اندازہ کر لیا اور ایسے تمام الفاظ ترک کر دیئے جو بالآخر دلی والوں کو بھی ترک کرنا پڑے" [3]۔

لسانی اعتبار سے ناسخ کی تحریک اُردو زبان کے لکھنوی انداز کو پیش کرتی ہے۔ اس میں تکلف، آرائش اور آورد کا پہلو نمایاں ہے۔ الفاظ کو ہیرے کی طرح تراش کر نگینے کی طرح بٹھانے کی سعی کی جاتی بلکہ حُسنِ بیان اور حُسنِ زبان کے نت نئے استعمال کے زایوں پر داد و تحسین بھی وصول کی جاتی۔ لکھنو نے اپنی تہذیب اور زبان کو "تحفظِ زبان" سے مشروط قرار دیا اور اس کے جملہ قواعد و ضوابط تشکیل دے کر زبان کے گرد مضبوط فصیل کھڑی کر دی۔

ناسخ نے جہاں زبان کی تراش خراش میں اپنی دلچسپی کا بیشتر حصہ صرف کیا وہیں انھوں نے بدن کو کسرت کی بھٹی میں کندن بنانے کا شوق بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ناسخ کو پہلوانی کا شوق تھا۔ لذیذ کھانوں اور شیریں پھلوں سے رغبت تھی۔ مذاق کرنے اور جملہ کسنے سے کبھی چوکتے نہ تھے۔ وہ بڑی بات کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے تھے اور ہمیشہ اپنے جوہر کو آزمانے کی کوشش کرتے تھے۔

میرؔ نے غزل پر اصلاح دینے سے انکار کیا تو غزل پر سکہ لگانا شروع کر دیا۔ معتمد الدولہ نے خطاب دینے کی خواہش کی تو بگڑ گئے اور خطاب لینے سے مناہی کر دی۔ لکھنو کے مشاعروں میں شریک ہوتے۔ انشاؔ، مصحفیؔ، جرأتؔ اور ظہور اللہ نواؔ کے ہنگاموں کو خاموش تماشائی بن کر دیکھتے۔ جب زمانہ ورق اُلٹ چکا تھا تو میدان میں اُترے اور اساتذہ کی اندھی تقلید میں تماش پسندی کو یوں برقرار رکھا کہ مشاعرے کو اکھاڑہ بنا ڈالا۔ خوش خوراکی، مقابلہ بازی اور سبقت لے جانے کی روش نے ناسخ کو ایک تماشا کرنے اور تماشا دیکھنے والا راسخ الطبع مسخرہ بنا دیا جس کا نقصان انھوں نے

مضمون کی سطحیت کو غزل کے آنگن میں بے ہنگم جھاڑ پھونس میں بدل کر اُٹھایا۔ ناسخ نے زبان کو زور آزمائی کا وسیلہ اور تماشا بنانے کی کوشش بھی کی۔ نئی زمینوں سے ریختہ کی مضبوط دیواریں اُٹھائیں اور اس پر تفاخر کا اظہار ان کی طبیعت کے نرگسی پن کا عکس پیش کرتا ہے۔

؎ سب زمینیں ہیں نئی، بتیں ہیں اے یار نئی
روزیاں ریختہ کی اُٹھتی ہے دیوار نئی[۴]

؎ خاک میں مل جایئے ایسا اکھاڑا چاہیے
ایسی کُشتی، دیو ہستی کو پچھاڑا چاہیے[۵]

بلاشبہ ناسخ نے جن الفاظ کو رواج دیا۔ ان سے بیشتر آج کی جدید اُردو میں رائج اور ہنوز مستعمل ہیں۔ میرؔ اور ناسخ کے درمیان زمانی فاصلہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔ بادی النظر میں دیکھیں تو الفاظ کی یہ تبدیلی ہنگامی بنیادوں پر عمل میں لائی گئی محسوس ہوتی ہے؛ لسانی اصلاحات و تصرفات کا یہ تغیر فطریِ اصولِ ارتقا کے مطابق نظر نہیں آتا۔ اس مصنوعی کوشش سے جہاں نئے الفاظ آئے وہاں کہنہ مستعمل بامعنی الفاظ متروک بھی ہوئے۔ ناسخ کے ہاں سادہ، آسان، سہل اور رواں اشعار کی شدید کمی محسوس ہوتی ہے۔ اس کی وجہ ناسخ کی زبان میں قواعد و ضوابط کی بے جا پابندیاں ہیں جو پڑھنے والے پر اپنی کراہت اور نفرین کا دبیز اثر ڈالتی ہیں۔ بطور نمونہ یہ اشعار دیکھیں:

؎ آغازِ شب میں اژدرِ فرعون ہے جو زلف
افسونِ خطِ مار ہی افسانہ ہو گیا ہے[۶]

؎ قمر ہی کیا ترے آگے محاق میں آیا
کہ آفتاب بھی تو احتراق میں آیا[۷]

؎ باعثِ گریہ ہوئی فرقت میں مجھ کو میکشی
ساقیا اشکوں سے مے کا استحالہ ہو گیا[۸]

ناسخ نے حشو و زائد کے استعمال پر کڑی پابندی لگائی، تنافر، غرابت اور تعقید سے بچنے کی تلقین کی اور بندش کے طرزِ فارسی کو فروغ دیا۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی لفظوں اور اضافتوں کا استعمال بہت زیادہ ہو گیا اور بیشتر ایسے اشعار تخلیق ہونے لگے جن میں صرف فعل اور حرفِ اضافت بدلنے سے اشعار فارسی کے قالب میں ڈھل جاتے۔ اشعار دیکھیں:

؎ سوالِ وصل پر بلنا پری رو تیرے ابرو کا
اشارہ ہے براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو کا

؎ آرائشِ جمالِ خداداد عیب ہے
موئے کمر کو ذوق نہیں ہے خضاب کا

؎ یاں سرِ کاوش توانائی کے عالم میں نہ تھا
آج جسمِ ناتواں کیوں خارِ پائے مور ہے

ناسخ نے اُردو کی صرف و نحو کو درست کیا، روزہ اور محاورات کی چھان پٹک کی اور اس کے قواعد مقرر کیے۔ مستعمل الفاظ و تذکیر و تانیث کے اُصول وضع کیے اور افعال و مصادر میں جہاں ضروری سمجھا تبدیلیاں بھی کیں۔ عروض و قافیہ کے لحاظ سے وزن اور شعر کی درست پر زور دیا۔ ان سب کوششوں کا یہ نتیجہ ہے کہ لکھنو میں ناسخ کی زبان کسوٹی بن گئی۔ ناسخ نے ریختہ کو اُردو زبان کا نام دیا اور دہلی محاورے کے تقابل میں لکھنو کا محاورہ وضع کیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"ناسخ کے تین اُردو غزلیات کے دیوان ہیں جن کے مجموعی مطالعہ سے ناسخ کے دو رنگِ سخن ملتے ہیں۔ ایک رنگ وہ ہے جس میں تلازمات، مناسبات، تمثیل اور مبالغے کے استعمال سے مضمون آفرینی کی گئی ہے اور شعر کو سجا سنوار کر اس طور سے پیش کیا ہے۔ یہ رنگ شاعری جذبہ و احساس سے عاری اور اس کے عاری ہونے میں ناسخ کی شعوری کاوش شامل ہے۔ دوسرا رنگِ سخن وہ ہے جس میں جذبہ و احساس موجود ہے اور یہ وہی اشعار ہے دہلوی روایت کا شاخسانہ ہے اور معیارِ شعر پر پورا اُترتے ہیں۔ ناسخ نے پہلے رنگ کو زیادہ اہمیت دی ہے اور یہی رنگ ناسخ کی انفرادیت کا باعث ہے"[4]۔

ناسخ کی جملہ لسانی اصلاحات و تصرفات کا معروضی انداز میں نکات کی صورت جائزہ لیں تو وہ کچھ یوں ہیں:

۱۔ جذبہ و احساس اور ان سے متعلق تجربات کا فقدان ہے۔

۲۔ حقیقی معنی کی بجائے فرضی اور قیاسی معنی تراشے گئے ہیں۔ مناسبات لفظی و معنی اور تلازمات سے مدد لی گئی ہے۔

۳۔ابہام کا عنصر دخیل ہے۔مثال پسندی اور غیر حقیقی مفروضات و موہومات کا سہارا لیا گیا ہے۔
۴۔حیرت کا عنصر شعوری طور پر شعر کی بُنت میں شامل رکھا ہے جس کا مقصد قاری کی توجہ حاصل کرنا ہے۔
۵۔بلند آہنگی ہے۔الفاظ سے معنی کا آہنگ پیدا کرنے کی کوشش ہے۔
۶۔دیگر مقامی و بدیسی زبانوں کے بے جا الفاظ و تراکیب و جملہ فنی لوازمات کا استعمال شعر کی موزونیت کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔
۷۔زبان کے استعمال کے مروجہ اُصول پر سختی سے عمل داری ہے۔

ناسخ کا یہ "طرز جدید" اُردو غزل میں ایک بڑا اور تاریخی نوعیت کا اہم تجربہ تھا۔غزل میں احساس و جذبہ اور داخلی واردات کا عنصر ناسخ کے ہاں خارج نظر آتا ہے۔ان عناصر کو شاعری سے خارج کر دینے سے داخلیت از خود متروک ہو جاتی ہے اور خارجیت در آنے سے کلام میں صناعی رنگ تو سر چڑھ کے بولتا ہے تاہم موضوع سے متعلق خیال کی معنویت کا تاثر ہمیشہ کے لیے زائل ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"ناسخ کے بارے میں جن اصحاب کا یہ نکتہ نظر ہے کہ کہ وہ جذبہ و احساس سے عاری ہیں اور ان کی شاعری کو دیکھ کر ناک منہ چڑھایا جاتا ہے وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ناسخ کی شاعری سے اس چیز کا مطالبہ کرنا لایعنی اس لیے ہے کہ ناسخ نے خود اپنی شاعری میں داخلیت سے متعلق موضوعات کی تلاش کو باطل قرار دیا ہے اور خود کو "طرز جدید" کا پیشرو قرار دیتے ہوئے شاعری کو زبان کے ذریعے سمجھنے اور اس کا ادراک کرنے کا درس دیا ہے"[5]۔

ناسخ نے "سادہ گوئی" کو ترک کیا اور نئے رنگ کی شاعری کو "تازہ گوئی" کا نام دے کر اسے اختیار کیا اور اپنے شاگردوں کو بھی اسی رنگ میں شعر کہنے کی تلقین کی۔اس تحریک کے نتیجے میں شاعری کی روایت میں بدلاؤ آیا اور سادہ گوئی میں جذبہ و احساس شامل تھا اس کو خارج کر دیا گیا۔مضمونِ تازہ کی تلاش میں جہاں ناسخ نے تخیل کے نئے نئے گل کھلائے وہاں فارسی شعرا کی طرف سے رجوع بھی کیا اور ان کے وصفِ مضمون بندی کا تتبع کیا۔دور از کار تشبیہات و استعارات اور علامات و کنایات و تماثیل کے ذریعے لفظی و معنوی آہنگ پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی جس سے قاری کے قوتِ حسِ مزاح میں ایک طرح کی حیرت، لطف اندوزی پیدا کر دی۔

- رقم کرتا ہوں مضمون خنجر ابروئے قاتل کا
  صریرِ کلک نالہ ہے گلوئے مرغِ بسمل کا
- بندشِ مضمونِ قامت نے کبھی چاہی نہ فکر
  خود بخود دل سے نکلتے ہی وہ موزوں ہو گیا
- نہ دو تشبیہ تیغ ابروئے خم دارِ جاناں کو
  کہ ماہِ نو اک اُترا ہوا اور ناپرانا ہے

ناسخ نے حُسن کاری سے اپنی نئی شاعری کو اس طرح سجایا کہ یہ رنگِ سخن ممتاز و منفرد ہو گیا۔تازہ گوئی میں سارا زور چوں کہ نئے سے نئے مضمون کی تلاش تھی اس لیے متبذل و غیر متبذل ہر قسم کے مضامین اُردو غزل میں در آئے۔سادہ گوئی میں دہلی کی زبان، محاورہ اور روز مرہ، مخصوص لفظیات اور ہندی الاصل الفاظ شامل تھے۔ناسخ نے انھیں شعوری طور پر ترک کیا اور فارسی عربی الفاظ کو پوری صحت کے ساتھ باندھنے پر زور دیا۔اس عمل سے اصلاحِ زبان کی وہ روایت شروع ہوئی جسے ناسخ سے منسوب کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر ابولیث صدیقی لکھتے ہیں:

"ناسخ کی مضمون آفرینی میں ایک بات تو یہ ہے کہ وہ حقیقت سے دور لے جاتی ہے۔ایسی چیزوں سے رشتہ قائم کرتی ہے جو بظاہر دور دور اس میں نظر نہیں آتیں۔مبالغہ و غلو کی حدود کو بھی پھلانگ جاتا ہے۔یہ حقیقت کی ضد ہوتی ہے اور مضمون کے مختلف سروں کو تلاش کر کے مناسبات و تلازمات سے مربوط کیا جاتا ہے۔ناسخ نے ان سب خصوصیات کو غزل میں سمو دیا"[6]۔

ناسخ نے اپنے اندازِ فکر کو "طرزِ جدید" سے بھرنے کے لیے کئی کام کیے۔فارسی شعرا صائب و کلیم کے رنگِ سخن کا تتبع کیا اور جملہ فنی محاسن کو شعوری طور پر اُردو غزل کے دامن میں جگہ دینے کی کوشش کی۔ناسخ نے اس مثالیہ طرز کو معنی آفرینی اور اثر آفرینی کے لیے کثرت سے استعمال کیا کہ یہ ناسخ کی غزل کی نمایاں خصوصیت ہے۔

- پاکانِ ازل کو نہیں پروائے مربی
  عیسیٰ کو ضرر کچھ نہ ہوا بے پدری کا
- خاکساروں سے ملا کرتے ہیں جھک کر سربلند

آسماں پیشِ زمیں بہرِ تواضع خم ہوا

۔ دیتا ہے کہاں ساتھ بُرے وقت میں کوئی
پتھر کو لگی چوٹ تو شرارے نکل آئے

ناسخ کا کمالِ فن یہ ہے کہ انھوں نے غزل کے موضوعاتی تنوع کو دامنِ غزل میں نہ صرف جگہ دی بلکہ اس کی تنگ دامانی کو وسعتِ بیکراں سے ہم کنار بھی کیا ہے۔ معنی آفرینی کے اس مخصوص طریقے سے اُردو غزل کی وہ قدیم صورت بدل ڈالی جسے سادہ گوئی کہہ کر جذبہ واحساس کی ترجمان قرار دیا جاتا تھا۔ ناسخ اس اعتبار سے ایک بالکل مختلف اور جداشناخت کے شاعر ہیں۔ ان کے جملہ لسانی تصرفات میں زمینِ غزل کے لیے معنی آفرینی کا یہ عمل سب سے مقدم اور مفتخر نظر آتا ہے۔

۔ جی لڑا دیتا ہے کیسی ہوں زمینیں سنگلاخ
خامہ تیشہ ہے تو ناسخ کوہ کن سے کم نہیں

۔ جلد ہو مست ہی کر رہی ہے شور گھٹا
ساقیا! دیر نہ کر، دیکھ تو ہے زور گھٹا

ناسخ کی غزل میں ثقیل اور گراں الفاظ کو شعوری طور پر استعمال کرنے کا رجحان نظر آتا ہے۔ یہ تاثر پڑھنے اور سُننے والے پر بوجھ اور ناگواری پیدا کرتا ہے جس سے شعر کے مضمون کی روح مجروح ہوتی محسوس ہوتی ہے۔ عربی فارسی مشکل الفاظ کے استعمال کی روایت اُردو غزل میں میر و سودا کے بعد ناسخ اور متعقدین ناسخ کی وجہ سے رائج ہوئی اور اس کا برسوں تتبع کیا جاتا رہا ۔ مرورِ وقت کے ساتھ اس رجحان کی شدت میں کمی آتی گئی تاہم یہ روایت قصیدے کی لفظیات میں مبتدیوں کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ناسخ نے الفاظ کو ثقیل و گراں ہونے کے باوجود سلیقے اور شائستگی سے بیان کیا ہے۔ بطور نمونہ اشعار دیکھیں۔

۔ تن پروری کی تیغ زباں سے نہ تھی پناہ
گو دروع تھا دارا عہ نقوشِ حصیر کا

۔ بدلا ہے شیرے سے مزاج آفتاب کا
درمیاں ہے فرق استدراج اور اعجاز کا

۔ استلام سنگِ اسود سے ہمیں کیا زاہدا
کان میں جس کے پڑے گا بس وہ کر ہو جائے گا

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

عہدِ ناسخ میں رنگِ سخن کی یہ خوبی میر کی شاعری کے برعکس، قابلِ تقلید ہے۔ اس کے طرز میں ایک توانائی ہے، معنی آفرینی تخیل کی اُڑان کو فلک افلاک تک لے جاتی ہے اور دُنیاو" کائنات کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ مصحفی نے اسی وصف کے سبب ناسخ کو "رنگ سخن کا علمبر دار" ٹھہرایا ہے۔ ناسخ نے جو طرزِ نو ایجاد کی اس نے لکھنو کی تہذیب و شاعری کو ایک انفرادیت ااور امتیاز عطا کیا۔ ناسخ لکھنو کے پہلے شاعر تھے جس کا اثر دہلی تک پہنچا اور سارے ہندوستان میں مقبول و معروف ہوا۔ لکھنو کی شاعری کا کے رنگ و آہنگ و مزاج کے خالق و بانی امام بخش ناسخ ۔[7]"ہیں۔ ان کے دیوان اس بات کا گواہ ہے

ناسخ نے اس دور کی شاعری کو چند اُصولوں کے تابع کیا اور یہ ترغیب دی کہ ناہموار روشوں کو ہموار کیا جائے۔ یہ اُصول انھوں نے اپنے لیے تراشے اور اپنے شاگردوں کو بھی اس پر سختی سے عمل کرنے کی تلقین کی۔ اس روش کا نتیجہ یعنی ردِ عمل یہ ہوا کہ اصلاحِ زبان کی تحریک ناسخ اور ان کے شاگردوں کے نام سے معنون ہو گئی۔ میر علی اوسطرش، کلب علی خاں نادر اور اسیر لکھنوی کی خدمات اس حوالے سے یادگار ہیں۔

ناسخ نے ایک طرف اصلاح زبان کی تحریک کو اپنایا جسے شاہ حاتم نے شروع کیا تھا اور دوسری طرف خود بھی اس میں اُصول و قواعد و ضوابط کا اضافہ کیا۔ زبان کے نقطہ نظر سے کلامِ ناسخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل مرورِ وقت کے ساتھ میر، سودا، میر حسن اور مصحفی و جرات و انشا کے ہاں بھی جاری تھا۔ دیوان ناسخ میں اصلاح زبان و تبدیلی اشکالِ الفاظ کے نمونے دیکھیں۔

یھاں:	۔	دلیل اس پر جدا ہوتا ہے یھاں توام کا	دیوان اول
یاں:	۔	کہ نہیں دخل یاں سخن چین کا	دیوان دوم
یہاں:	۔	روز یہاں ریختے کی اُٹھتی ہے دیوار نئی	دیوان سوم
موئے"	۔	موئے پر بھی نہ اُترا مثل قمری طوقِ گردن سے	دیوان اول

دلا: ؎ دور رہ ان سے دلا جن کو ترا پاس نہیں دیوان اول

زاہدا: ؎ خشک اپنا زاہدا دامان تر ہو جائے گا دیوان سوم

ناسخ نے تذکیر و تانیث، واحد جمع اور الفاظ کے تلفظ کے حوالے سے بھی اُصول وضع کیے اور سختی سے ان پر عمل بھی کیا۔ لکھنو اور دہلی میں بعض الفاظ کی تذکیر و تانیث ہنوز ابہامِ قطعیت کا شکار ہے۔ ناسخ نے اپنا جداگانہ انداز یہاں رائج رکھا ہے۔

بلبل (مذکر): ؎ بلبل ہوں بوستانِ جناب امیر کا دیوانِ اول

سوچ (مذکر) ؎ سوچ رہتا ہے کہیں دیکھیں نہ تجھ کو خواب میں دیوان اول

ناسخ نے حروفِ ربط کو عوامی زبان اور بعض جگہ فارسی تراکیب کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

نہ+تا: ؎ ترک لذت دلا پہنچے نہ تا مجھ کو گزند دیوان اول

کاہے+کو" ؎ طائر قبلہ نما کاہے کو بسم ہو گا دیوان اول

تا+بہ" ؎ تا بہ دروزہ پہنچ کر جب سنا گھر میں نہیں دیوان سوم

ناسخ نے بعض الفاظ کی املا میں صوتِ آواز کو کم زیادہ کرنے اور اس کی جہری صورت میں شعوری بدلاؤ بھی کیا ہے۔

ترتے: ؎ جیسے آتے ہیں نظر ترتے کنول تالاب میں دیوان اول

کر+کرکے: ؎ پیرہن پھینکے ہیں میں نے بیشتر کر کر کے چاک دیوان دوم

دہنے (دھنے): ؎ بائیں دہنے ہیں جو دونوں تیرے ابرو ماہِ نو دیوان دوم

سفر چلنا: ؎ سفر چلے ہیں تو اس بُت سے مل لیں اے ناسخ دیوان دوم

ڈاکٹر رشید حسن خان لکھتے ہیں:

ناسخ کی اصلاح زبان کی تحریک نے رفتہ رفتہ زور پکڑا اور شاگردوں کے علاوہ دیگر نے بھی اس کا اثر قبول کیا۔ اصلاحِ زبان کے اکثر اُصول آج تک اُردو غزل میں اسی طرح برتے جا رہے ہیں۔ ناسخ کی اس شاعری کی پیروی غالب نے بھی کی ہے۔ زبان و بیان سے متعلق ناہموار روشوں کو ناسخ نے متروکات، تصرفات اور دوسرے قاعدوں کے التزام کے ساتھ پابندی کر کے ہموار بنایا۔ یہ اولیت ناسخ سے کوئی نہیں چھین سکتا [8]۔"

ناسخ نے اُردو زبان میں جن تبدیلیوں کو رواج دیا؛ ان میں سب سے اہم فارسی اور عربی الفاظ کا استعمال ہے۔ تصرف زدہ الفاظ کی تفصیل یونس جاوید مرتب کلیات ناسخ عبدالحہ کے تذکرہ "گل رعنا" سے اخذ کی ہے جس کے مطابق ناسخ نے متروک الفاظ کو مجوزہ لفظ کی صورت اشعار میں استعمال کیا ہے: مثلاً:

متروک لفظ	مجوزہ لفظ	متروک لفظ	مجوزہ لفظ	متروک لفظ	مجوزہ لفظ		
نپٹ	بہت		جگ	دُنیا	ماٹی		مٹی
لاگا	لگا		کھوج	نشان	سجن		صنم
ٹک	ذرا		جی چلا	رغبت ہوئی	دارو	دوا	
کنے	کس نے		چبھے ہے	چبھتا ہے	خیال لینا		خیال باندھنا
زنجیری رہنا	قید رہنا	دم بردم		دم بہ دم	پالا		پیالہ

ناسخ کی اصلاحی تحریک کا ایک اخلاقی پہلو یہ بھی ہے کہ قُدما کے ہاں ہجو میں فُحش نگاری اور بدزبانی کا رجحان عام تھا۔ اس قبیح روش نے آہستہ آہستہ غزل میں راہ پالی۔ ناسخ نے فُحش الفاظ کو غزل میں استعمال کرنے پر شدید نفرین کا اظہار کیا اور سختی سے اس کی ممانعت کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شعرا نے غزل میں عشق سے شعوری طور پر انحراف برتنا شروع کیا جس سے غزل میں عشق کے علاوہ دیگر موضوعات کو غزلیہ رنگ میں رنگین ہونے کی راہ مل گئی۔ ناسخ کا یہ اقدام غزل کی موضوعاتی وسعت کے پیشِ نظر تحسین کے لائق ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر ظفر ہاشمی لکھتے ہیں:

ناسخ کی شاعری کا سب سے نمایاں پہلو اصلاح زبان ہے۔ ناسخ نے قدیم تراکیب کو منسوخ کیا اور جو الفاظ و محاورات میرؔ و سوداؔ، انشاؔ اور حسنؔ تک مستعمل تھے ناسخ نے انھیں متروکات میں شامل کیا جیسے: "آگو کی جگہ آگے، اُن نے کی جگہ اس نے، لاگو کی جگہ لگا، تنک کی جگہ، ذرا، ایدھر کی جگہ، ادھر" وغیرہ۔ ناسخ نے عربی و فارسی الفاظ و محاورات کو بھی ضرورت کے تحت اس کی ظاہری ہیت میں تبدیلیاں کی ہیں۔ ناسخ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے باقاعدہ زبان کی اصلاح کے اُصول مرتب کیے۔ جدید اُردو زبان بڑی حد تک ان کی بنیادی کوششوں کا ثمر ہے [9]۔"

ناسخ کی تحریک کا ماحصل کانٹ چھانٹ اور تراش خراش سے عبارت ہے۔اس تحریک نے بھاشا، ہندی اور پراکرتی ہندی الاصل الفاظ کے استعمال پر پابندی عائد کی اور زبان کو ایسا درست کیا کہ لطافت اور صفائی کچھ زیادہ ہونے سے اُردو زبان میں ہندی رس ختم ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ناسخ کی تحریک کی نوعیت تہذیبی اور آرائشی ہے۔

Reference

[1] dr anvar sadeed, “urdu adab ki tehreekin,anjman tarqi urdu” ,Pakistan,Karachi,2010,page:207

[2] imdad imam asar, “kashif ul haqaiq”,maktba moian ul adab,1965,page:153”

[3] mulana shibli moumani, “mavzana anees o dabeer” ,sang e meel publication,Lahore,2018,page:431

[4] dr jameel jalbi“,tarkeekh e adab e urdu(vol.3)”,majlas e tarqi e adab Lahore,2008,page:693

[5] dr jameel jalbi, “tarkeekh e adab e urdu(vol.3)”,majlas e tarqi e adab Lahore,2008,page:697

[6] dr abu laes saddiqui, “tareekh adbiat e muslamana pak o hind(vol.2)”,2009,page:244

[7] dr jameel jalbi, “tareekh e adab e urdu,(vol.3)”,page:706

[8] dr ahsan nishat, “ijaz e nasikh”,martab,mashmola, (nasikh ki zuban),markaz adbad urdu,lekhnow,1988,page:204

[9] professor dr zafar Hashmi, “mizan e urdu”, tahir sons,urdu bazar ,karachi,1998,page:85